امیر خسرو دھلوی
حیات اور شاعری
(۲)

سید صباح الدین عبدالرحمن

مشایخ کو مجروح کرکے سلاطین دھلی کے خلاف اس طرح جنگ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں :

سلاطین دھلی میں کوئی بھی سلطان بجز ناصر الدین محمود کے ایسا نہیں گزرا ہے جو سفاک نہ رہا ہو...وہ سب ایک ہی تھالی کے چٹے بٹے تھے ، سفاک اور ظالم (ص ۲۱۱)

اگر سلاطین دھلی میں قطب‌الدین ایبک ، شمس الدین ایلتمش ، غیاث الدین بلبن ، غیاث الدین تغلق اور فیروز شاہ تغلق بھی شامل ہیں ، تو پھر اس زمانہ کی تاریخ کے متعلق ہمارے مصنف کا مطالعہ ناقص سمجھا جائیگا کیونکہ یہ وہ سلاطین ہیں جن کی دینداری ، عدل پسندی اور رعایا پروری مشہور ہے۔

ہمارے مصنف دعوی کر سکتے ہیں کہ ان کی تحقیق اور استدلال میں معروضیت اور حقیقت پسندی ہے، مگر ان کا رنگ یہ ہے کہ وہ ایک نتیجہ پر پہنچ کر اس کا کبریٰ اور صغریٰ تلاش کر لیتے ہیں ، کبریٰ اور صغریٰ سے نتیجہ نہیں نکالتے بلکہ اپنے نتیجہ کے مطابق کبریٰ اور صغریٰ بنا لیتے ہیں۔ وہ خود لکھتے ہیں کہ حقائق کی سچائی کو مجروح کرنا اور توڑنا موڑنا کذب

گوئی اور افترا پردازی کے مترادف ہے (ص ۳۶۰) انہوں نے اپنی مطلب براری کی خاطر کسی خاص نتیجہ پر پہنچنے کے لئے کبریٰ اور صغریٰ کے حقائق کو جس طرح مجروح کیا ہے اور واقعات کو جس طرح توڑ موڑ کر پیش کیا ہے، اس بناء پر ان ہی کے الفاظ کا سہارا لے کر ان پر اسی قسم کا الزام رکھا جا سکتا ہے۔

مصنف نے اپنی کتاب لکھتے وقت طنز و تضحیک کو اپنا وطیرہ بنا لیا تھا۔ اس لئے اس علمی کتاب میں ان کا انداز بیان سنجیدہ نہیں کہا جا سکتا ہے بلکہ کہیں کہیں تو بہت ہی غیر سنجیدہ ہو گیا ہے مثلاً :

یہ لکھنے کے بعد ان کا (یعنی ڈاکٹر وحید مرزا کا) قلم رک جاتا ہے طرح طرح کے کاوے کاٹنے لگتا ہے (ص ۶)

ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر وحید مرزا) نے یہ پینترے اس لئے اختیار کئے کہ دولت شاہ سمرقندی نے ان کے والد کا نام محمود لکھا ہے (ص ۹)

تذکروں . . . کے درمیان کھلی نقل بازی چلتی ہے (ص ۷)

میخانہ کا مؤلف اس لائق نہیں کہ اس کی کھنچائی کی جائے (ص ۱۰۰)

اگر کابلیوں کو اس کا پتہ چل جائے کہ کسی نے یہ بھی لکھا ہے کہ خسرو توابع کابل کے غور بند میں پیدا ہوئے تو وہ بیدل کی طرح خسرو کو ہتھیانے کی کوشش کرینگے (ص ۱۰۰)

یہ بات تو خسرو کے ذہن میں بھی نہ تھی کہ وہ نظامی سے پالا مار لے جائینگے (ص ۲۲۳)

خسرو نے اپنے نکتہ چینوں اور حاسدوں کو بھی لتاڑا ہے (ص ۲۲۴)

گویا ہر رات کسی حسینہ کے ساتھ بسر کرنے کے لئے شادی شدہ ہونا ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر وحید مرزا) کے نزدیک ضروری ہے، اس نشان بلوغت کا کیا کہنا (ص ۱۱۵)

مندرجہ ذیل عبارت کا جو لب و لہجہ ہے وہ کسی ایسی کتاب کا انداز بیان نہیں ہو سکتا ہے جس میں سنجیدہ تحقیق کی جا رہی ہو:-

اس ہٹ دھرمی کے جواب میں صرف دوھی باتیں کر سکتا ہوں، یا تو کوتوال شہر کا وہ رجسٹر نکال لاؤں جس میں پیدائش درج کی جاتی تھی یا پھر خسرو کی والدہ یا ان کے والد ماجد یا ان کے نانا عماد الملک کا کوئی بیان پیش کروں، اس پر میرے ایک دوست نے کہا کہ نہیں اتنی دور جانے کی ضرورت نہیں، اگر تم کوئی ایسا شعر پیش کر سکو جس میں خسرو نے یہ کہا ہو کہ میرا خمیر دلی کی خاک سے اٹھا تھا تو ہم لوگ ہتھیار ڈال دینگے، پھر پٹیالی کا نام نہ لیں گے (ص ۱۱۹)

مصنف کی کتاب میں ''منم،، کا اظہار جس فراوانی کے ساتھ کیا گیا ہے وہ بھی تصنیفی و خوش سلیقگی کی دلیل نہیں، صیغہ واحد متکلم کا استعمال کسی اچھے اہل قلم کے یہاں کہیں کہیں ملتا ہے لیکن ہمارے مصنف کے یہاں اس کی بہتات ہے اور اگر وہ اپنی کتاب کو بہت غور سے پڑھیں تو کہیں کہیں واحد و جمع کے علاوہ محاوروں، روز مروں اور جملوں کی ترکیبوں میں بھی ان کو خود غلطیاں نظر آئینگی، وہ بتائیں کہ یہ جملے اور فقرے کہاں تک صحیح اور فصیح ہیں:

جو ....مشاہرین میں سے ہیں (ص ٦٦) از روئے انکساری اسی لکھا ہے (۱۲۹) یہ بات متحقق ہو سکے (ص ۳۹) ساری باتیں میں خود ہی متحقق

کر سکوں (۹۱) حضرت نظام الدین اولیاء کی خدمت میں بیعت کی (ص ۱۶۰) بمعنی غلام کے (ص ۶۴) بجز خسرو کے (ص۲۵۲) ایک ھی تھالی کے چٹے بٹے تھے (ص ۲۱۰) ثمرات القدس کا ایک مستند مخطوط (ص ۹۷) یہ بتانا ضروری سا معلوم ھوتا ھے (ص ۳۸۶) حشوو زوائد کی تو بہت سی مثالیں ھیں۔

ھمارے مصنف کو اپنی بعض تحقیقات پر شاید بڑا فخر محسوس ھو، جن کا جائزہ لینے کی ضرورت ھے، انھوں نے اپنی کتاب کے ۶۴ صفحے میں امیر خسرو کے والد اور ان کے قبیلہ کے نام کو متعین کرنے کی کوشش کی ھے، ان کے صبر آزما مباحث کو پڑھ کر ان کے ناظرین کسی نتیجہ پر نہیں پہنچتے، اور نہ وہ خود کسی بات پر شاید یقین کامل رکھتے ھیں، سوائے اس کے کہ امیر خسرو کے والد کے نام کا جز محمود نہیں تھا۔ رھا یہ کہ ان کے والد کا نام لاچین تھا اسکو وہ اچھی طرح واضح نہیں کر سکے ھیں۔ وہ پہلے تو یہ لکھتے ھیں کہ ''خسرو لاچین بندہ کمترین،، اپنے شاھانہ نام سے نادم ھانک پکار کر کہتا ھے کہ اس بندہ کمترین کا نام لاچین ھے (ص۳) صرف اس ٹکڑے سے یہ ثابت نہیں ھوتا کہ خسرو ھانک پکار کر اپنے والد کا نام لاچین بتاتے ھیں، البتہ اعجاز خسروی کا یہ ٹکڑا ضرور قابل غور ھے۔

اما بعد فان مرقوقك القديم خسرو بن لاچين يعرف بالنديم (ص۶) جب اس کو پڑھ کر خیال ھوا کہ خسرو کے والد کا نام واقعی لاچین تھا، تو مصنف اپنی بحث میں یہ بھی لکھ گئے ھیں کہ خسرو نے اس لفظ کو بہ معنی غلام کئی جگہ استعمال کیا۔ خسرو کا تخلص ان کی شاعری کے ابتدائی دور میں سلطانی تھا، چنانچہ اس سے فائدہ اٹھاتے ھوئے ایک قصیدہ میں خسرو لاچین کی ترکیب کو اس طرح استعمال کرتے ھیں کہ لاچین کے ایک معنی غلام کے بھی

ظاہر ہوتے ہیں۔۔۔۔اس طرح کا حسن ایہام ایک جگہ وہ نثر میں بھی پیدا کرتے ہیں۔۔۔چنانچہ اس خیال کو یکسر رد نہیں کیا جا سکتا کہ جب خسرو اپنے کو خسرو لاچین لکھتے ہیں۔۔تو اس کا یہ مفہوم بھی ہوتا ہے کہ ''خسرو ابن غلام یا خسرو بندہ کمترین،،۔ اور اس ترکیب یعنی خسرو لاچین میں خسرو (بادشاہ) اور لا چین (غلام) کا حسن تضاد بھی پیدا کرتے ہیں، چنانچہ جہاں انہوں نے عربی کے اس جملے میں اپنے کو واضح طور سے ابن لاچین لکھا ہے۔۔۔وہاں بھی اس رعایت کو ملحوظ رکھا ہے (ص ۱۰) مصنف کے ان خیالات کے بعد یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ خسرو نے لاچین اپنے باپ کا نام بتایا ہے یا حسن ایہام کی خاطر لاچین کو غلام کے معنے میں استعمال کرتے ہیں، پھر بھی اصرار ہے کہ ان کے ناظرین تسلیم کریں کہ خسرو کے والد کا نام لاچین تھا (ص ۲۶)

لاچین سے متعلق مصنف نے کوئی نئی بحث نہیں کی ہے، یہ بحث ڈاکٹر وحید مرزا کی کتاب میں بھی موجود ہے، مگر مصنف نے یہ لکھ کر اس کی اہمیت کم کی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس تحقیقی مقالہ میں تحقیق کا ایک نرالا انداز اختیار کیا ہے (ص۲) اب ان کے ناظرین ھی یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ڈاکٹر وحید مرزا کی یا خود ان کی تحقیق کا انداز نرالا ہے، مصنف نے جو بات دس بارہ صفحے میں کہی ہے، ڈاکٹر وحید مرزا صرف ایک پیراگراف میں کہہ گئے ہیں، وہ لاچین کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ یہ ترکی لفظ ہے جس کے معنی باز (شاہین) ہیں ، وسط ایشا کے ترکوں کا مقبول نام تھا ، زیادہ تر تذکرہ نویس لاچین کو ایک قبیلہ کا نام بتاتے ہیں ، اور لکھتے ہیں کہ خسرو کے والد کا تعلق اسی قبیلہ سے تھا، لیکن کچھ تذکرہ نویس یہ خسرو کے والد کا نام بھی بتاتے ہیں ، خسرو اپنی نسل کے متعلق اس کے سوا کچھ اور نہیں کہتے کہ وہ ترک تھے،

لیکن وہ کبھی کبھی اپنے کو خسرو لاچین لکھتے ہیں یعنی لاچین کا خسرو ، جس سے ابن لاچین کے معنی بھی لئے جا سکتے ہیں۔ اس قسم کی اضافت باپ کا نام لئے بغیر استعمال کی گئی ہے، مثلاً مسعود سعد سلمان سے مراد مسعود بن سعد بن سلمان ہے، لیکن مرزا محمد کا خیال ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ یہ نام خسرو کے باپ کا ہو، بلکہ ان کے دادا یا ان کے مورث اعلی کا ہو، یہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، اس لئے خسرو ، خسرو لاچین لکھتے ، کیونکہ خسرو نے اپنے والد کا نام سیف با سیف شمسی اور ایک جگہ سلطانی شمسی لکھا ہے، خسرو نے کہیں ان کا نام لاچین نہیں لکھا ہے، اس لئے یہ بظاہر اس قبیلہ کے سردار کا نام معلوم ہوتا ہے یا شاید ان کے مورث اعلی کا نام ہو جس کے نام پر اس کے قبیلہ کا بھی نام ہو گیا ، سلطان حسین مرزا اور جامی کے خیال کے مطابق خسرو ایک امیر خاندان سے تعلق رکھتے تھے ، اس لئے زیادہ تر یہ خیال ہوتا ہے کہ لاچین کسی قبیلہ کا سردار تھا اور وہی خسرو کے مورث اعلی تھے، یا دادا یا دادا کے دادا تھے (ص۸ ، لاہور ایڈیشن) ڈاکٹر وحید مرزا نے اوپر جو کچھ لکھا ہے اسکو ان کے ناظرین مصنف کی طرح نرالا کہہ کر ناقابل اعتناء سمجھنے کے لئے تیار نہیں ، کیونکہ ڈاکٹر وحید مرزا نے جو بات بہت ہی واضح طور پر کہی ہے اسی کو ہمارے مصنف نے بہت ہی گنجلک کر دیا ہے۔ اپنے ناظرین کو ہر قسم کے شکوک و شبہات میں ڈال کر یہ زبردستی یقین دلانے کی کوشش کی ہے کہ وہ خسرو کے والد کا نام لاچین تسلیم کر لیں ، گو وہ اپنے ناظرین کو یہ بھی بتاتے ہیں کہ لغت چغتائی و ترکی و عثمانی میں لاچین کے جہاں لغوی معنے سفید رنگ کے شاہین یا باز کے دیئے ہیں وہاں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ ترکوں کے ایک قدیم قبیلہ کا نام بھی لاچین تھا (ص ۱۱) پھر اپنی پوری بحث کو یہ لکھ کر ختم کیا ہے کہ اس کا فیصلہ متفقہ طور پر ہو کہ خسرو نے

ہر جگہ لفظ لاچین بمعنی غلام کے استعمال کئے ہیں، اتنا بڑا فیصلہ خود اپنی بات کے خلاف تن تنہا نہیں کر سکتا ہوں، اس پر دوسروں کو تنقید کی دعوت دینا ضروری ہے، یہ تو کام کی ابتدا ہے، اس کی تنقید اور تنقیح کے بعد ہی کوئی مثبت بات ٹھہریگی (ص ۶۴) اس کے یہ معنی ہیں کہ مصنف نے ۶۴ صفحے میں جو باتیں لکھی ہیں وہ مثبت نہیں ہیں، منفی ہیں۔

مصنف اپنی اس گنجلک بحث میں یہ بھی اچھی طرح بتا نہیں سکے ہیں کہ خسرو آخر کس ترک قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے، ایک جگہ لکھتے ہیں کہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ بعض تشبیہات اور استعارات میں ان کا اشارہ ختا اور ختن کی طرف بھی ہوتا ہے (ص ۵) اس کی مزید وضاحت ان کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ اس خیال کو قطعیت کے ساتھ رد نہیں کیا جا سکتا ہے کہ خسرو کے والد ختائی ترک تھے (ص ۵۱) اور پھر وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ خسرو کے والد ولایت بالا کے کسی مقام کے ترک ایبک تھے (ص۴۸ - ۴۷) اور پھر یہ بھی لکھ گئے ہیں کہ خسرو کے والد ختائی ترک تھے یا قپچاقی اس کے بارے میں کوئی دو ٹوک رائے نہیں دی جا سکتی ہے، اس لئے میں نے دوسروں کی صوابدید کے لئے اس مسئلہ کو کھلا رکھا ہے (ص ۱۲۸) یہ بھی تحقیق کی عجیب نوعیت ہے۔

ہمارے مصنف نے چودہ صفحے کے ایک پورے باب میں یہ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ خسرو کے نانا راجپوت تھے، انہوں نے اسلام قبول کیا، شاہی دربار سے وابستہ ہوئے تو ان کو عمادالملک کا خطاب ملا (ص ۶۱) مگر وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ بات خسرو نے کہیں نہیں کہی ہے کہ میری ماں یا میرے نانا ہندی الاصل تھے (ص ۶۶) وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ دور

متقدمین اور دور متوسطین کے تذکرہ نگاروں میں سے کسی نے اس کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے کہ خسرو کے نانا عمادالملک ہندی الاصل تھے (ص ۱۹۲) پھر سوال یہ ہے کہ ہمارے مصنف کو خسرو کے نانا کو نہ صرف ہندی الاصل بلکہ ہندو ثابت کرنے میں اپنی ساری تحقیقی سرگرمیوں کو بروئے کار لانے کی کیا ضرورت تھی ، ان کو وہ ہندی الاصل کہتے تو کچھ مضائقہ نہ تھا ، لیکن ان کو ہندو ثابت کرنے میں ان کی کیا مصلحت تھی ، مصنف اپنی تحقیق میں کسی ایسی بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں جو خسرو یا ان کے معاصروں کی تحریر میں نہیں ملتی لیکن ان کو خسرو کے بہت بعد کے دور کے ایک مصنف علی شیر نوائی کی ایک کتاب ''مقامات،، میں ایک جملہ مل گیا کہ خسرو زن ہندو کے بطن سے پیدا ہوئے (ص ۹۲) اس سے اپنے ناظرین کو متاثر کرنے کی کوشش کی ہے، مگر شیرنوائی کی سند کوئی قابل اعتبار سند نہیں ، مصنف کا بیان ہے کہ خسرو نے کہیں یہ بات نہیں کہی ہے کہ میری ماں یا میرے نانا ہندی الاصل تھے تو پھر کلیات خسرو کے حسب ذیل اقتباس کا سہارا لے کر یہ ثابت کرنے کی کیا ضرورت تھی کہ عماد الملک ایک ہندو راجہ تھے ۔

راوت عارض کہ درکار آرائی مملکت ہند ہمہ تن رائے بود ، چنانکہ اگر خواستی رائے را بگردانید و یار کردی (ص۷۴)

اس کا لفظی ترجمہ کرنے کے بجائے مصنف نے اس کی تصریح اس طرح کی ہے کہ

''کار آرائی مملکت،، میں ہمہ تن راجہ تھے ، اور بہت آسانی سے رائے کو یار بنا لیتے تھے (ص ۷۶)

مذکورہ بالا فارسی عبارت میں مصنف نے رائے کو راجہ اس لئے قرار دیدیا ہے کہ اسی طرح ان کی مطلب براری ہوتی تھی ، مگر ان کے سوا کسی اور کو یہ تصریح قابل قبول نہیں ہو سکتی ہے، بلکہ مضحک معلوم ہوگی ، ڈاکٹر وحید مرزا کے سامنے بھی یہ عبارت تھی ، وہ لکھتے ہیں کہ رائے کے حروف کو الٹ دیجئے تو یار ہو جاتے ہیں ، اسی مناسبت سے رائے اور یار الفاظ لائے گئے ہیں (ص ۲۹ ، لاہور ، ایڈیشن) پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر عماد الملک ایک راجپوت راجہ تھے اور ظاہر ہے کہ جلیل القدر راجہ رہے ہونگے ، تب ہی تو شاہی دربار میں ایک معزز عہدہ پر فائز ہوئے ، تو آخر وہ کہاں کے راجہ تھے ؟ کب مسلمان ہوئے ؟ کس وجہ سے اسلام قبول کیا ؟ مصنف نے اس سلسلہ میں اپنے ناظرین کو جس طرح مطمئن کرنے کی کوشش کی ہے اسکی محققانہ نوعیت پر بھی وہ اپنی نظر رکھیں ، وہ لکھتے ہیں :

یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ یا تو راجپوتوں کے کسی حکمران خاندان سے تعلق رکھتے تھے یا اسیر ہونے سے پہلے خود کسی علاقہ کے راجہ یا چیف میں تھے اور ان کا یہ خاندانی خطاب راوت شاہی ملازمت کے دوران بھی ہوتا رہا اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کا کیا نام تھا ، اس کا اشارہ خسرو نے عماد الملک کے مرتبے میں سہیا کیا ہے، لیکن میں خود اس کی نشاندھی نہ کرونگا (ص ۹۰)

''کہا جا سکتا ہے،، کہہ کر کسی اہم بات کی تحقیق نہیں ہوتی ، اور دعوی تو یہ ہے کہ عماد الملک ہندو راجہ تھے ، لیکن جب ان کا نام بتانے کا وقت آئے تو یہ کہہ کر گریز کیا جائے کہ میں خود اس کی نشاندھی نہ کروں گا ، اور باتوں کی نشاندھی میں تو وہ اپنی قوت تخیل کی ہر پرواز سے کام لیں

لیکن خسرو کے نانا کا ہندو نام بتانے میں ذمہداری نہ لیں ، یہ کوئی تحقیق نہیں ہوئی۔

مصنف کا یہ لکھنا محض ساقط الاعتبار قیاس ہے کہ راوت دراصل راجپوت ہے، عربی میں پ کا حرف نہیں اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ پوت کی پ اولاً ب سے اور پھر بعد میں و سے بدل گئی ، اور رائی پوت سے یہ لفظ رایوت اور پھر راوت بن گیا۔

ہمارے مصنف کی تحقیق ہے کہ خسرو کا مولد دھلی تھا ، پٹیالی نہ تھا۔ وہ ان تمام تذکروں کا بھی ذکر کرتے ہیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے (ص ۱۰۵-۱۰۴) مگر وہ ان تذکروں کی روایتوں کو غیر علمی انداز بیان میں یہ کہہ کر رد کر دیتے ہیں کہ یہ اشتہاری مہم ہے (ص ۱۰۳) لیکن والہ داغستانی کی ریاض الشعراء کی ایک مجہول روایت کے ایک ٹکڑا کو جو ان کے مطلب کا تھا قابل اعتناء سمجھے ہیں ، وہ ٹکڑا یہ ہے

تولد امیر خسرو در دھلی شدہ (ص ۱۰۴)

اس ٹکڑا پر بحث کرتے ہوئے مصنف نے ڈاکٹر وحید مرزا کو یہ لکھ کر مجروح کیا ہے کہ جلدی سے کئی صدیاں پھلانگتے ہوئے دارا شکوہ کے تذکرہ سفینۃ الاولیاء کے حوالے سے یہ لکھتے ہیں کہ امیر سیف الدین پٹیالی میں آباد ہوئے اور پھر اس سے چار صفحات آگے یہ تحریر کرتے ہیں کہ امیر خسرو پٹیالی میں پیدا ہوئے (ص ۱۰۴-۱۰۳) مصنف ہی کے الفاظ کو مستعار لے کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ والہ داغستانی دارا شکوہ کے بعد کا مصنف ہے پھر انہوں نے

خود کئی صدیاں پھلانگتے ہوئے اس کا سہارا کیوں لیا ، اور اگر اس کی یہ روایت صحیح ہے تو پھر اس کی اس بات کو بھی صحیح سمجھیں ۔

اصل امیر از اتراک است ، با پدر خود از نواحی غزنین آمدہ گویند والدہ اش باو حاملہ بود (ص ۱۰۳)

اسی طرح دور حاضر کے ایک مصنف عباس اقبال کی تاریخ مغول ایران جلد اول کا سہارا لے کر یہ یقین دلانا کہ خسرو دھلی میں پیدا ہوئے صحیح نہیں (ص ۱۲۰) یہ بھی صدیوں پھلانگ مارنے کے مترادف ہے، ہمارے مصنف نے خسرو کے ان تین اشعار سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ خسرو کا مولد دھلی تھا ۔

جائے من بود قبۃ الاسلام قبلہ خسروان ہفت اقلام (ص ۱۱۸)

اگر چہ سفالست از خاک دھلی بروکار ریحان لطف و رضارا (ص ۱۱۹)

جائے من دھلی کہ ہر حرفم سواد اعظم است
طبل دار الملک اندر روستائی می زنم (ص ۱۲۰)

جائے من سے مراد دھلی ضرور ہے جو خسرو کا وطن تھا ، مگر اسے ان کا مولد قرار دینا صحیح نہیں ، اسی طرح اگر چہ سفالست از خاک دھلی سے یہ مطلب تو لیا جا سکتا ہے کہ ان کا خمیر دھلی سے اٹھا تھا ، لیکن یہ وہ واشگاف الفاظ نہیں ہیں جن سے یہ ببانگ دھل اعلان کیا جائے کہ خسرو کا مولد پٹیالی نہ تھا ، مصنف کے بیان کے مطابق خسرو پٹیالی بار بار گئے ، وہ لکھتے ہیں کہ خواجہ نظام الدین اولیاء نے غیاث پور میں سکونت اختیار کرنے سے پہلے ایک بار اس خیال کا اظہار کیا کہ کبھی کبھی میں یہ سوچتا ہوں کہ پٹیالی

چلا جاؤں جہاں ان دنوں ترک (یعنی امیر خسرو) رہ رہا ہے ،، (ص ۹۴) اس کے لئے سیر الاولیاء اور فوائد الفواد کے حوالے بھی دیئے ہیں، امیر خسرو دھلی چھوڑ کر پٹیالی میں کیوں مقیم تھے، پٹیالی سے ان کا کیا تعلق تھا، جو وہاں جا کر رہ رہے تھے ،؟ کیا اس لئے نہیں کہ وہ ان کا مولد تھا اور وہاں ان کے اعزہ موجود تھے، پٹیالی میں ان کے اعزہ کے موجود ہونے کا ذکر تو خود مصنف نے کیا ہے، وہ غرۃ الکمال کے دیباچہ کے حوالے سےلکھتے ہیں کہ خسرو مغل یا تتار کی قید سے رہا ہو کر ملتان لوٹ آئے پھر وہاں سے دلی اپنی والدہ ماجدہ سے ملنے آئے، کچھ دنوں دلی میں قیام کرکے پٹیالی چلے گئے جہاں ان کی والدہ کے کوئی عزیز اور خود ان کے چند اعزہ رہتے تھے ،وہاں انہوں نے کچھ مدت قیام کیا (ص ۹۵) اس سلسلہ میں ایک روایت یہ بھی ہے کہ خسرو کی والدہ اس وقت پٹیالی میں تھیں، خود ہمارے مصنف کا بیان ہے کہ مرزا لعل بیگ نے اپنی کتاب ثمرات القدس میں دیباچہ غرۃ الکمال کی جو عبارت نقل کی ہے، وہ یہ ہے:

چند گاہ بدیدار مادرش عزیز و عزیزان دیگر در قلعہ سومن پور عرف پٹیالی بر لب آب گنگ روزگارے خوش می گزرانید (ص ۹۸)

مگر مصنف کا خیال ہے کہ اس عبارت میں تحریف کی گئی ہے، نیشنل میوزیم کراچی کے قلمی نسخہ غزۃ الکمال کے دیباچے میں یہ عبارت اس طرح ہے:

چند گاہ بدیدار عزیز مادر و عزیزان دیگر در قلعہ سومن پور عرف پتیالی (پٹیالی) بر لب آب گنگ روزگار خوش گزارہ می کردم (ص ۹۷)

پہلی عبارت سے ظاہر ہے کہ اپنی عزیز ماں کے دیدار کے لئے پٹیالی گئے،

دوسری عبارت سے مصنف کے خیال کے مطابق اپنی ماں کے عزیز اور اپنے اعزہ سے ملنے پٹیالی گئے ۔ ماں کے عزیز اور خسرو کے اعزہ کی تفریق سمجھ میں نہیں آئی ۔ مادرش عزیز اور عزیز مادر کے لکھنے میں کون سا نسخہ صحیح ہے، اس بحث سے قطع نظر یہ تو یقینی ہے کہ خسرو اور خسرو کی ماں کے اعزہ پٹیالی میں رہ رہے تھے، پٹیالی میں رہنے کی وجہ کیا ہوسکتی ہے؟ خسرو کی ماں کے اعزہ وہاں تھے، تو پھر یہ سمجھنے میں کیا تامل ہو سکتا ہے کہ خسرو کی ماں بھی وہاں رہتی تھیں ، اور خسرو وہیں پیدا ہوئے ، پھر دونوں بعد میں دھلی چلے گئے ، مصنف نے یہ بھی لکھا ہے کہ خسرو پٹیالی میں تھے کہ وہیں بلبن کی وفات پانے اور معزالدین کیقباد کے تخت نشین ہونے کی خبر انہیں ملی ، پھر اس کے فوراً بعد معزالدین کیقباد کے دربار سے خسرو کے بلانے کا فرمان انہیں وہیں پٹیالی میں ملا (ص ۱۲) ایک جگہ مصنف کا یہ بھی بیان ہے کہ خسرو پٹیالی بزمرۂ سواران ایک ماہ کے لئے متعین کئے گئے تھے جہاں بڑی سختیاں جھیلیں (ص ۱۱۶) پٹیالی سے خسرو کے ان تعلقات کے بعد تمام تذکرہ نگاروں کے اس بیان کو کیسے جھٹلایا جا سکتا ہے کہ ان کا مولد پٹیالی تھا ، رہی یہ بات کہ خسرو نے پٹیالی کی مذمت اور ہجو کی ہے، اس لئے یہ ان کا مولد نہیں ہو سکتا ۔ مصنف نے خود لکھا ہے کہ کوئی بھی ایسا ادارہ نہ تھا جس کی تنقید خسرو نے نہ کی ہو، صوفیان پشمینہ پوش اور غازیان دین سے لے کر شہر کے قاضی مفتی ہر ایک کی تنقید کی ہے(ص ۲۹۱) مصنف خسرو کے متعلق یہ بھی لکھتے ہیں کہ انہوں نے کئی جگہوں میں اپنے نفس پر بھی نفریں کی ہے (ص ۲۳۴) پھر اگر اپنے مولد پٹیالی پر تنقیدیں کیں ، یا ہجو لکھی ، تو کم سے کم مصنف کو تعجب نہیں ہونا چاہیے ، پھر شہر آشوب لکھنے میں شعراء اپنے مولد اور وطن کے متعلق کیا کچھ نہیں لکھ جاتے ۔

مصنف کا دعویٰ ہے کہ خسرو کی مادری زبان ہندی یا ہندوی تھی (ص ۳۲۶) مگر اس کو ثابت کرنے میں جو دلیل دی ہے، وہ زیادہ قوی نہیں، ان کا یہ لکھنا کہ خسرو کے والد نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ ہندوستان میں گزارا، اور ان کی شادی ایسے گھرانے میں ہوئی جو تمام تر ہندی الاصل تھا، اس لئے یہ بات بھی بغیر کسی تذبذب کے کہی جا سکتی ہے کہ وہ بھی اپنے گھر میں اور باہر عوام کے ساتھ ہندی ہی میں گفتگو کرتے (ص ۳۲۶) یہ بات تذبذب کے ساتھ تو کہی جا سکتی تھی، کسی تذبذب کے بغیر کہنا ایک خلاف احتیاط بات ہے، اس کے بعد مصنف نے خسرو کے یہ دو اشعار پیش کئے ہیں:

ترک ہندوستانیم من ہندوئی گویم چو آب
شکر مصری ندارم کز عرب گویم سخن

ہست خطا و ختل و ترک و عرب
درسخن ہنـــــدی ما دوختہ لـــــب

پہلے شعر کے پہلے مصرع کی وضاحت مصنف نے خود کی ہے کہ خسرو نے ہندوی میں نہایت روانی کے ساتھ شعر کہنے پر فخر کیا ہے (ص ۳۲۶) یہ وضاحت تو ٹھیک ہے، دوسرے شعر کے دوسرے مصرع کے متعلق کہتے ہیں کہ ہندی ما کہہ کر اس سے اپنی قربت ظاہر کی ہے، یہ بھی درست ہے، مگر یکا یک وہ یہ بھی لکھ جاتے ہیں کہ اس سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ ہندی یا ہندوی ان کی مادری زبان تھی (ص ۳۲۶) یہ محض ان کا قیاس ہے جو ضروری نہیں کہ دوسروں کے لئے بھی قابل قبول ہو۔

ہمارے مصنف نے امیر خسرو کی افضل الفواید کو ایک جعلی کتاب قرار دیا ہے (ص ۲۰۹) مگر اس سلسلہ میں کوئی لمبی بحث کرنے کے بجائے صرف

اپنا فیصلہ صادر کرکے آگے بڑھ گئے ہیں، ان کی یہ کوئی نئی تحقیق نہیں ایک بہت ہی پرانی بات دہرادی ہے، اکتوبر ۱۹۵۰ء میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے رسالہ مڈیول انڈیا کوارٹرلی میں وہاں کے پروفیسر محمد حبیب نے ہندوستان کے خواجگان چشت کے ملفوظات کے بعض مجموعوں کے ساتھ افضل الفواید کو بھی جعلی قرار دیدیا تھا، راقم نے اس کی تردید میں معارف میں مضامین لکھے تھے جو اس کی کتاب بزم صوفیہ کے آخر میں بھی شامل کر دیئے گئے ہیں، اس جواب سے یہ فائدہ ہوا کہ ان ملفوظات کو قطعی جعلی سمجھنے کے بجائے اب ان کے مستند اور غیر مستند ہونے پر بحث جاری ہے، (دیکھو رسالہ منادی کا بابا فریدنمبر ۱۹۰۴ء) افضل الفواید کے ساتھ راحت المحبین کو بھی امیر خسرو سے منسوب کیا جاتا ہے، اس کی نشاندھی جناب محمد سعید احمد مارہروی نے اپنی کتاب حیات خسرو میں یہ لکھ کر کیا کہ امیر خسرو نے اس کو افضل الفواید کے بعد مرتب کیا (خیات خسرو، در امیر خسرو مرتبہ شیخ سلیم احمد ص ۲۳۹-۴۰) دھلی کے جناب نثار احمد فاروقی اپنے ایک مضمون میں ان دونوں کتابوں پر تبصرہ کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں:

''یہاں میں نے دونوں کتابوں کا تعارف قدرے تفصیل سے پیش کر دیا ہے۔ جن دلائل کی بنا پر ان کتابوں کو جعلی سمجھا گیا ہے، ان کے ساتھ ہی وہ پہلو بھی پیش کر دیئے ہیں جن سے ان کا پایۂ استناد معتبر ہو جاتا ہے، لیکن جب تک دونوں کتابوں کے متعدد قلمی نسخے میرے سامنے نہ ہوں یہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ انہیں قطعی جعلی سمجھا جائے یا امیر خسرو کی مستند تصنیف میں ان کا شمار کیا جائے، ایک دشواری یہ ہے کہ ان کا متن تحقیق کے ساتھ مرتب ہو کر ابھی تک نہیں چھپا ہے اور جو تراجم شائع ہوئے ہیں، ان پر

بھروسہ نہیں کیا جا سکتا (مضمون افضل الفواید اور راحت المحبین در امیر خسرو، احوال و آثار، مرتبہ ڈاکٹر نو رالحسن انصاری ص ۶۹ - ۳۶۸)۔

مصنف نے لکھا ہے کہ امیر خسرو نے اپنی مثنوی ہشت بہشت کی اصلاح خواجہ نظام الدین اولیاء کے مرید اور ان کی نمازوں کے امام مولانا شہاب الدین نہ کہ شہاب سہمرہ سے کرائی، یہ بھی مصنف کی کوئی نئی بحث نہیں ہے، ڈاکٹر وحید مرزا ہی کی کتاب کی خوشہ چینی ہے، راقم نے اپنی کتاب بزم مملوکیہ میں شہاب سہمرہ کی زندگی اور شاعری پر تبصرہ کیا ہے۔ اور اس میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ شہاب سہمرہ ہی سے امیر خسرو نے رجوع کیا، کیونکہ اس زمانہ کا مشہور اور ممتاز شاعر، ملک الکلام، فخر الملک عمید تولکی بھی ان کو استاد کے لقب سے یاد کرتا ہے، سلک السلوک اور طوطی نامہ کے مشہور مولف مولانا ضیاء الدین نخشبی بھی ان کے شاگردوں میں تھے، پھر امیر خسرو شہاب الملت و الدین کو بقراط وقت، افلاطون زمانہ، الہیات، طبیعات، ریاضیات، معقولات اور منقولات میں ید طولیٰ رکھنے والا عالم بتاتے ہیں، ان کو سلیمان ممالک سخن بھی کہا ہے، اور لکھتے ہیں کہ ان کے کلام کو لوگ دیوانہ وار سنتے، ان کو عربی زبان کے مشہور شعرا بحتری اور ابو تمام سے افضل قرار دیا ہے۔ غایت تعریف میں لکھتے ہیں کہ ان کے اشعار کعبہ کے بجائے بہشت میں آویزان کئے جانے کے لائق ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ تعریف مولانا شہاب الدین امام کے لئے ہے یا شہاب سہمرہ کے لئے ہے، مولانا شہاب الدین امام کا ذکر شاعر کی حیثیت سے کسی تذکرہ میں نہیں، مگر ملا عبد القادر بدیونی نے شہاب سہمرہ کو شہسوار میدان بلاغت اور استاد الشعراء کہا ہے، عرفات العاشقین کے مؤلف نے ان کے متعلق لکھا ہے۔

شاہ سخن پردازیست کہ در عرصہ فکرت ایقان سمند معنی را پیادہ رخ بر رخ نہادے پل در شطرنج مقاومت و فیل فرزین طرح دادی۔

مجمع الفصحاء میں ہے کہ ''طبع عالی ذہن متعالی داشتہ،، اور امیر خسرو کا بھی یہ شعر ہے،

ور بداذن سہمرہ سر مست بر خیزد ز خواب
مگر بیاید غلغلہ مر غان دھلی زین نوا

شہاب سہمرہ نے جس شان سے حمد و نعت میں قصائد کہے ہیں، ان کے مقابلہ میں فارسی کے بڑے سے بڑے شاعر کے قصائد شاید ہی ملیں۔ شہاب سہمرہ کے ایک نعتیہ قصیدہ کا ایک شعر ہے

شہ تخت کن محمد کہ سرادق شرف زد
بہ سوئے در سہیمن از سرائے ام ہانی

امیر خسرو نے اسی کے تتبع میں ایک پر کیف غزل لکھی ہے ، گو اس کی بحر مختلف ہے، اس کا مطلع یہ ہے،

بہم از جمال ساقی ز شراب ار غـــوانی
کہ بیار تشنہ ام نہ بہ آب زندگانی

ان باتوں کے پیش نظر اگر شہاب سہمرہ کو امیر خسرو کا استاد کہا جاتا ہے، تو وہ بھی قابل غور ہے، شہاب سہمرہ کی وفات کی صحیح تاریخ اب تک معلوم نہیں ہو سکی ہے اگر معلوم ہو جائے، تو اس متنازعہ فیہ موضوع کی وضاحت ہو جائیگی اور اگر یہ اچھی طرح ثابت ہو جائے کہ امیر خسرو کی مذکورہ بالا مداحی مولانا شہاب الدین امام ہی کے لئے ہے، شہاب سہمرہ کے لئے نہیں ہے تو پھر اسکو تسلیم کرنے میں کسی کو عذر نہ ہونا چاہئے۔ گو یہ سوال باقی

رہ جائیگا کہ آخر ایسے بے مثال شاعر اور عالم کا ذکر امیر خسرو کے سوا کسی اور تذکرہ نگار نے کیوں نہیں کیا، جب کہ شہاب سہمرہ کا ذکر بہت سے تذکروں میں ہے۔

قطب الدین مبارک خلجی نے جب امیر خسرو کو اپنے لئے ایک مثنوی لکھنے کو کہا تو اس نے کہا کہ جو کوئی ہما ری فتوحات کو رقم کریگا ہم اسکو ہاتھی کے برابر زر تول کر دینگے، ہاتھی کے برابر تول کر انعام دینا میری وراثت میں سے ہے۔ اس پر ہمارے مصنف کا تبصرہ یہ ہے کہ امیر خسرو کے بعض سوانح نگار بادشاہ کی اسی گفتگو کو لے اڑے ہیں اور اپنے تذکروں میں یوں لکھدیا کہ امیر خسرو نے جب ۷۱۸ ھجری میں اپنی مثنوی نہ سپہر بادشاہ کی خدمت میں پیش کی تو اس نے ہاتھی کے برابر تول کر روپے دیے، یہ بیان ہمارے علامہ شبلی مرحوم کا ہے (ص ۲۵۲) مصنف کی تحقیقی دیانت داری کا تقاضا یہ تھا کہ وہ یہ لکھتے کہ یہ بیان ہمارے علامہ شبلی مرحوم کا بھی ہے، مصنف کا مزید تبصرہ یہ بھی ہے کہ بادشاہ نے جو کچھ کہا اس کے مطابق خسرو کو دیا کہ نہیں، اس کی گواہی بجز خسرو کے اور کون دے سکتا ہے، چنانچہ خود خسرو نے یہ بات کہیں نہیں لکھی کہ مجھے سلطان نے ہاتھی کے برابر سونا (؟) تول کر دیا (ص ۲۵۲)

مثنوی نہ سپہر کے دو اشعار یہ ہیں :

شہا ! گنج بخشا ! کرم گسترا معانی شناسا، سخن داورا
چنیں بخششے کز تو جم یا فتم در ایام پیشینہ کم یا فتم

یہ دو اشعار قطب الدین مبارک خلجی ہی کی گفتگو کے سلسلہ میں لکھے گئے، جب امیر خسرو بادشاہ کو گنج بخش، کرم گستر، معانی شناس اور سخن

داور کہہ کر یہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے جو بخشش ان کے جیسے جمشید سے پائی ، وہ اس سے پہلے ان کو کبھی نہیں ملی ، تو اس کے سمجھنے میں کیا تامل ہے کہ بادشاہ نے ہاتھی کے برابر تول کر ان کو انعام دیا ، مصنف نے جو اعتراض کیا ہے، ان کا اپنا نہیں ، یہ بھی ڈاکٹر وحید مرزا ہی کی تحریر کی خوشہ چینی ہے، ڈاکٹر وحید مرزا نے تو یہ ضرور لکھا ہے کہ خسرو کو ہاتھی کے برابر سونا ملا کہ نہیں یہ بات غیر یقینی ہے، مگر وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہ یقین ہے کہ انعام فیاضانہ طور پر ملا (ص ۱۲۵ ، لاہور ایڈیشن) مگر ہمارے مصنف نے اس انعام کو محض افسانہ قرار دیدیا ہے (۲۰۳) وہ حقیقت کو افسانہ اور افسانہ کو حقیقت بہت آسانی سے بنادیتے ہیں۔

ہمارے مصنف نے امیر خسرو کی فارسی شاعری پر بظاہر بہت ہی ناقدانہ فاضلانہ اور ہمدردانہ تبصرہ کیا ہے، لیکن اس سلسلہ میں ان کی تحریروں کی روانی میں جو تضاد پیدا ہو گیا ہے اس کی خبر ان کو شاید نہیں ہوئی ، مثلاً ایک جگہ تو وہ یہ لکھتے ہیں :۔

''انہوں نے یعنی خسرو نے نہ تو کہیں اپنے کو پارسا ظاہر کیا ہے اور نہ صوفیت بگھاری ہے، بلکہ ہمیشہ اپنے ایک رند اور قلندر ہونے پر فخر کیا ہے (ص ۳۰۶)

مگر وہ یہ بھی لکھتے ہیں :۔

''ایک صوفیانہ فکری رو ان کی ہر تصنیف میں ملتی ہے اور وہ بصارت سے زیادہ بصیرت پر زور دیتے ہیں (ص ۳۹۶)

وہ یہ بھی لکھ گئے ہیں :۔

''ان کے قصائد کا ایک معتدبہ حصہ تصوف ، سر الہ ، لا و الا کی تفہیم ،

موعظت و حکمت کے مضامین سے تعلق رکھتا ہے(ص ۳۷۰)
ابھی اور ان کے اقتباسات ملاحظہ ہوں :-

''خسرو کے خیالات توحید باری، وحدت الوجود اور دوسرے مضامین تصوف سے متعلق کیا تھے ، تو اس کے لئے ان کے قصائد کا مطالعہ کرنا ناگزیر ہے،، (ص ۳۷۱)

ان کے قصائد سے صرف اس بات کی تشریح کرونگا کہ امیر خسرو پوری طرح فلسفہ وحدت الوجود کے قائل تھے (ص ۳۷۱)

خسرو رمز انا الحق کے مفسر تھے ، اور حوصلہ دار و رمز بھی رکھتے تھے (ص ۳۸۶)

اگر یہ فکری رو ، سر الہ ، لا والا کی تفہیم ، توحید باری ، وحدت الوجود ، اور رمز انا الحق کا تعلق تصوف سے نہیں ، پھر مصنف کا یہ کہنا کہاں تک صحیح ہے کہ خسرو نے کہیں صوفیت نہیں بگھاری ہے، مصنف نے لکھا ہے کہ خسرو نے اپنے رند ہونے پر فخر کیا ہے، مگر وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ،

''شاعر خسرو اپنے عہد کے ایک جید عالم بھی تھے ، ان کی نظر فلسفے، حکمت ، نجوم ، الہیات اور طبعیات سب پر تھی،، (ص ۳۳۶)

ممکن ہے کہ مصنف کے نزدیک رند اور جید عالم دو متضاد چیزیں نہ ہوں ، مصنف نے وحدت الوجود پر بظاہر بڑی اچھی بحث کی ہے گو اس مسئلہ پر اظہار خیال کرنا اور آتش زیر پا رکھنا دونوں برابر ہیں مگر اس کے پردے میں انہوں نے چپکے سے اس کی بھی ترویج کی ہے کہ

''انسان کو صرف منقولات سے باندھ کر رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے

اور اسے دینی معاملات میں اپنی عقل کو استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی (ص ۳۸۶)

پھر یہ وعظ بھی دینے لگے ہیں کہ

''اسلام کو ایک آسان دین کی حیثیت سے پیش کیا جائے اور اس ترھیب اور ترغیب کو دور رکھا جائے جس سے ماضی میں کام لیا جاتا، چنانچہ آج دنیائے اسلام کے ان ملکوں میں جن کو ترقی پذیر کہا جاتا ہے، اسی پر عمل کیا جا رہا ہے، وہ جہاں اسلام کو ایک طرف جمہوریت، سوشلزم اور سائنس سے مطابقت دے رہے ہیں، وہاں دوسری طرف اسلام کو ایک آسان دین کی حیثیت سے بھی پیش کر رہے ہیں، زیادہ خوف دلانے سے آدمی بھاگ جایا بھی کرتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ اس زمانے کے وحدت الوجودی صوفیوں اور قلندروں نے یہی کام کیا،، (ص ۴۰۸)

پھر خسرو کو وحدت الوجودی ثابت کرکے یہ لکھنے میں ان کو شاید بہت خوشی ہوتی ہے کہ ان کی نوائے قلندری کا ایک رخ تو یہ ہے جو عرفانیات سے تعلق رکھتا ہے، اس کا دوسرا رخ دوزخ اور بہشت سے انکار اور شادمانی امروز سے تعلق رکھتا ہے(ص ۴۱۰)

مصنف نے وحدت الوجود پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے وقت عشق الہی اور رمز انا الحق کی تفسیر بیان کرنے میں خال یار، کافر زلف، حور شمائل اور غلمان کے عشق کا ذکر کر کے اس مسئلہ کی بھی اصلی روح کو اس سے چھیننے کی کوشش کی ہے، وحدت الوجود اگر اسلامی شریعت سے عاری ہے تو یہ تو فلاطونی، عجمی، ویدانتی، اور فرنگی وحدت الوجود تو ہو سکتی ہے مگر اسلامی وحدت الوجود نہیں ہو سکتی، صوفی ازم میں اگر اسلامی شریعت نہیں

ہے تو یہ سنٹی سیزم ہے، سوفی ازم نہیں، جو فرق سوفی ازم اور سنٹی سیزم میں ہے، وہی فرق اسلامی وحدت الوجود اور غیر اسلامی وحدت الوجود میں ہے، یہ بات مصنف شاید تسلیم نہ کریں، لیکن جب ان کے مطالعہ میں وسعت پیدا ہو جائیگی تو ان کو یہی حقیقت سامنے نظر آئیگی۔

مصنف خسرو کی غزل گوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں کہ چونکہ غزل میں وہ صوفیانہ رنگ کو پسند نہ کرتے، اس لئے ان کی غزلیں پند و موعظت سے عاری عاشقانہ رنگ کی ہوتیں جس میں یا تو محبوب کا سراپا پھر معاملات عشق کو نظم کرتے (ص ۱۴۲) لیکن جب وہ امیر خسرو کی غزل گوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ لکھتے ہیں کہ انہوں نے توحید کا ایک نیا تصور پیش کیا (ص ۴۲۰) انہوں نے اس میں جذبہ بے خودی، لذت کشی، جام حیات، پرسائیگی حواس، عرفان ذات، از خود رفتگی اور سپردگی کا ایک ایسا حسین امتزاج اور آہنگ جذبہ پیش کیا کہ ہم اس کی لے پر بہتے ہوئے چلے جاتے ہیں (ص ۴۲۷) ان کی شاعری یعنی غزل گوئی اس قدر جامع اور ہمہ گیر ہے کہ اس کی دسترس سے زندگی کا کوئی بھی تجربہ بہ اعتبار نوع باہر نظر نہیں آتا ہے (ص ۴۳۰) وغیرہ وغیرہ تو پھر ان کا یہ کہنا کہاں تک درست ہے کہ خسرو کی غزلیں پند و موعظت سے عاری تھیں۔ اور ان کے یہاں یاتو محبوب کا سراپا ہے یا معاملات عشق، معاملات عشق سے مراد شاید معاملہ بندی ہو، گو وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ شبلی نے خسرو کی غزل گوئی میں معاملہ بندی کو زیادہ اہمیت دی ہے، لیکن میں نہیں سمجھتا کہ یہ چیز ان کی غزل گوئی میں عام ہے (ص ۴۲۷) مصنف کا یہ لکھنا صحیح نہیں کہ مولانا شبلی نے خسرو کی شاعری میں ان کی معاملہ بندی کو زیادہ اہمیت دی ہے، مولانا شبلی نے

خسرو کی غزل گوئی کی جو گونا گوں خوبیاں بتائی ہیں وہ مختصر طریقہ پر یہ ہیں، امیر خسرو کی غزل گوئی پر تقریظ کر نی ہو تو صرف یہ کہنا کافی ہے کہ وہی خمخانہ سعدی کی شراب ہے جو دوبارہ کھنچ کر تیز ہوگئی ہے، درد، سوز، گداز، جذبات، معاملات عشق، عجز نیاز اور قریب الفہم خیالات میں امیر خسرو شیخ سعدی کے دوش بدوش ہیں، لیکن وہ اس سے بھی آگے بڑھتے ہیں، انہوں نے غزل کی اصلیت کے علاوہ کمال شاعری کی بہت سی چیزیں اضافہ کیں، ایجادات اور اختراعات کے چمن کھلا دیئے، سوز و گداز کے خیالات جب وہ ادا کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آگ سے دھواں اٹھ رہا ہے، خسرو کی بوقلموں طبیعت نے جدت اسلوب کے سینکڑوں نئے نئے پیرائے پیدا کر دیئے جو اگلوں کے خواب و خیال میں بھی نہ آئے تھے، خسرو نے اس کا خاص خیال رکھا کہ روزمرہ اور عام بول چال کو زیادہ وسعت دی جائے، خسرو نے مسلسل غزلیں بھی لکھی ہیں اور خاص خاص کیفیتوں کا نقشہ اس خوبی سے کھینچا ہے کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی، غزل میں نئے نئے مضامین نئے نئے اسلوب پیدا کرنا، امیر خسرو کی ایجاد ہے اور انہیں پر خاتمہ ہو گیا، وغیرہ وغیرہ۔ مولانا شبلی نے امیر خسرو کی غزل گوئی پر جو کچھ لکھ دیا ہے اس سے بہتر تبصرہ اب تک نہیں ہو سکا، اور اسی ایجاز کا اطناب ہوتا رہیگا، اس کو پڑھ کر کہیں یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ انہوں نے امیر خسرو کی غزل گوئی میں معاملہ بندی پر زیادہ زور دیا ہے، جہاں انہوں نے خسرو کی غزل گوئی کے اور پہلوؤں کا ذکر کیا ہے وہاں ان کی واقعہ گوئی اور معاملہ بندی پر بھی تبصرہ کیا ہے، مگر وہ زیادہ نہیں، اور مولانا شبلی نے امیر خسرو کی غزل گوئی کے سلسلہ میں جو یہ لکھا ہے کہ امیر صاحب نے تصوف کے جو مدارج طے کئے، ان کو نہ ہم جان سکتے ہیں اور نہ بیان کر سکتے ہیں، البتہ نظر آتا ہے کہ امیر صاحب کا

ہر شعر جو بجلیاں گراتا ہے، وہ اسی وادیٔ ایمن کی شرر باریاں ہیں،، ۔ کس کا دم خم ہے کہ اس دعوی کی تردید کر دے۔مولانا شبلی سے پہلے میخانہ کے مؤلف ملا عبد النبی فخر الزماں قزوینی نے خسرو کی غزلوں کے متعلق لکھا تھا ۔

''آتش شوق در جان عاشقان و عارفان می زند واردات شور انگیز آن طوطی شکر مقال بوستان بلاغت نمک سودہ بر جراحت مجروحان تیغ عشق می پاشد،، ۔ اور شعر و ادب کے بحر کے شناور مولانا غلام آزاد بلگرامی نے بھی لکھا ہے ،

''خسرو قلمرو معانی است و صاحب قران سواد اعظم سخندانی ، نمک کلامش شور افگن انجمن ها و سوز سینه او آتش زن خرمن ها (خزانه عامره ص ۲۰۹)

اب یہ اور بات ہے کہ ہمارے مصنف کو امیر خسرو کے عشقیہ اشعار میں گوشت و پوست کے محبوب کا عشق اور سراپا ہی نظر آتا ہے، ان کے وجدان میں کسی کو کیا دخل ہے، مگر علامہ محمد اقبال کو خسرو کے عشق میں عشق الٰہی ہی نظر آیا اور خدا وند تعالی سے خسرو ہی کے ایسا سوز عطا کرنے کیلئے دعا بھی مانگی ۔

عطا کن شور رومی ، سوز خسرو عطا کن صدق و اخلاص سنائی

علامہ محمد اقبال نے خسرو کو رومی اور سنائی ہی کی صف میں لا کھڑا کیا ہے اور خسرو کا وہ سوز وہی ہے جس کے متعلق ہمارے مصنف کے قلم سے خدا جانے یہ کیسے نکل گیا ہے کہ معلوم نہیں وہ کون سی آگ تھی جو ان کے یعنی خسرو کے دل کو چھو گئی اور وہ ساری عمر اس آگ میں جلتے رہے، تب ہی تو شیخ نظام الدین اس ترک جگردار کے سوز دل کے صلہ میں اپنی مغفرت کی دعا مانگا کرتے (ص ۴۳۶) اور اگر ہمارے مصنف اقبال کے ساتھ خسرو کا

گہرا مطالعہ کریں تو ان کو پتہ چلیگا کہ اقبال نے خسرو کے تخیل عشق سے بہت کچھ استفادہ کیا ہے، تب ہی تو وہ سوز خسرو کے طلبگار ہوتے ہیں۔ خسرو کے یہاں بھی عشق و عقل کی وہی جنگ ہے جو اقبال کے یہاں ہے۔ خسرو عشق کی سلطانی کو ہر حال میں قائم رکھتے ہیں، عقل سے کوئی مصالحت نہیں کرتے، اقبال نے آخر میں عقل سے مصالحت کر لی ہے، پھر خسرو کے یہاں انسان کامل کا وہی تصور ہے جو اقبال کے یہاں ہے، خود مصنف کو بھی اعتراف ہے کہ خسرو انسان کو اسکے مقام کبریائی سے آشنا کرتے ہیں، وہ اسکو جتاتے رہتے ہیں کہ تو اس اضافت کو کیوں فراموش کرتا ہے کہ اللہ تعالی نے آدم کے پتلے میں اپنی روح پھونکی۔ (ص ۳۸۳)

مصنف کی ابھی بہت سی اور باتوں کی طرف توجہ دلائی جا سکتی ہے۔ مگر یہ تبصرہ اور بھی طویل ہو جائیگا، اسکو پڑھ کر ہمارے ناظرین مصنف کی کتاب کا مطالعہ کرکے خود فیصلہ کریں کہ اس میں امیر خسرو کی کیسی تصویر پیش کی گئی ہے، کیا اس کے ذریعہ خسرویات کے لٹریچر میں مفید اضافہ ہوا ہے؟ اور کیا تحقیق کے فن میں اس کی وجہ سے وزن اور وقار بڑھا ہے؟ آخر میں یہ کہنا ہے کہ کوئی امیر خسرو کی کتنی ہی عیب جوئی کرے، ان کے مداح مولانا ضیاء الدین برنی کے اس بیان میں تھوڑی سی ترمیم کرکے یہ کہہ کر محظوظ ہوتے رہیں گے کہ خدا کی قسم اس نیلے آسمان کے نیچے ان کے جیسا کوئی ہے یا نہیں یا کوئی تھا یا نہیں یا کوئی ہوگا کہ نہیں، اور ہاں مولانا شبلی کی اس رائے سے خسرو شناس لذت لینگے کہ ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات پیدا نہیں ہوا، اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گونا گوں اوصاف کے جامع ایران کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو ہی چار پیدا کئے ہونگے، اور علامہ محمد اقبال نے امیر خسرو سے متعلق

جو اپنی اس رائے کا اظہار کیا ہے کہ :

فطرتش روشن مثال ماهتاب گشت از بهر سفارت انتخاب

اسکو مصنف ذرا غور سے پڑھیں اور سوچیں کہ انہوں نے خود امیر خسرو کی تصویر کس رنگ میں پیش کی ہے، آزادی رائے کے اس دور میں مصنف کو حق تھا کہ خسرو کے متعلق جو چاہیں لکھیں ، مگر ان کی کتاب کی نوعیت اس حیثیت سے بدل جاتی ہے کہ یہ نیشنل کمیٹی برائے سات سو سالہ تقریبات امیر خسرو کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔ اگر یہ کتاب اس کی طرف سے شائع نہ ہوتی تو اتنا طویل تبصرہ بھی نہ لکھا جاتا۔

یاد آتا ہے کہ جب اسلام آباد میں ۱۹۷۵ء میں خسرو کے سات سو سالہ جشن کی قومی اور بین الاقوامی تقریبات منائی گئیں تو ان میں امیر خسرو کے متعلق بعض ہندوبین نے کچھ ایسی باتیں کہیں جن کو سن کر اس ملک کے مشہور طنز نگار ابن انشاء نے لکھا تھا کہ امیر خسرو نے سات سو سال میں جو کچھ حاصل کیا تھا اس کو اس قومی اور بین الاقوامی سیمینار میں چھین لینے کی کوشش کی گئی، امیر خسرو پر کسی کتاب کے لکھنے اور اسکو شائع کرنے میں اس طنز کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

———